OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 6, Issue 1 (January-March 2023)

صحابیاتؓ کے اسلوبِ دعوت وتربیت میں انسانی نفسیات کا لحاظ: عصر حاضر کے تناظر میں ایک مطالعہ

Keeping in view the Human Psychology in the Style of *Dawah* and Education by Ṣahābiāt: A Study in the Context of Present age

Abdullah Saghir Aasi
M.Phil Islamic Thought & Civilization, UMT, Sialkot
Dr. Asjad Ali
Assistant Professor, Islamic Thought & Civilization, UMT, Sialkot
Dr. Abdul Aleem
Assistant Professor, Islamic Thought & Civilization, UMT, Sialkot

Abstract

Islam is a comprehensive and universal religion that has been granted through Hazrat Muhammad (PBUH); the last messenger of ALLAH. Its beauty lies in the fact that the preaching of Islam will continue until the day of Resurrection. After the demise of Holy Prophet (PBUH), it is incumbent upon every Muslim man and woman to play their part in preaching of this religion. A society can only be reformed when there are people who encourage good deeds and prevent others from evil deeds. If we take a look at the efforts of today's Muslims for Islam, we find men working for the cause to some extent but women are almost none. In fact, today, women are greater in number as compared to men in past, which is why they need to work even more in this domain. While the women who were educated are trained in the company of Holy Prophet (PBUH), played a vital role in this sector. Knowledge about the core concepts of Islam, domestic life and intricate problems related specifically to women came only through the mothers of the Believers (Ummahat ul

momimeen) and their Companions (Sahabiyaat), but today's women have left this field empty. The few women who are working for the cause mostly emphasize on preaching and training without knowing the psychology of their audience, which causes harm instead of benefit. Therefore, this research paper will discuss that how the female companions of prophet Muhammad (PBUH); i.e. Sahabiyaat, used to preach and train listeners keeping in view the psychological aspects of audience and because of this wise approach, they were immediately ready to act. The fact that how by adopting the said method, today's society can be reformed, will also be discussed in this paper.

Keywords: Ṣahābiāt, Human Psychology, *Dawah*, Education, Style, Study, Context, Present age

تمہید

دعوتِ دین دراصل دعوتِ قرآن ہے قرآن مجید کا خطاب چونکہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں سے بھی ہے، لہذا اس اعتبار سے امت کا ہر فرد داعی الی اللہ ہے، چاہے وہ مرد ہے یا عورت۔ امت مسلمہ پر جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے اس میں امت کی خواتین اور مرد دونوں شریک ہیں۔ اس لیے یہ سوچنا صحیح نہ ہوگا کہ اس کا بار صرف مردوں کو اٹھانا ہے اور عورتیں اس سے آزاد ہیں۔ اس سے پہلو تہی کرنا اور غفلت برتنا جس طرح مردوں کے لیے درست نہیں اسی طرح خواتین کے لیے بھی صحیح نہیں ہے اور خواتین بھی تبلیغِ احکامِ الٰہی کی ذمہ داری میں مردوں کے ساتھ برابر کی شریک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح صحابہ کرامؓ نے دعوت و تبلیغ کے ذریعے دعوتِ احکامِ الٰہی کا فریضہ بخوبی سرانجام دیا، اسی طرح صحابیاتؓ نے بھی اس میدان میں قابلِ تحسین خدمات پیش کیں جو آج بھی اسلامی تاریخ کے اوراق کی ازینت بنی ہوئی ہیں۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ امت مسلمہ کے تمام افراد کو بتایا جائے کہ صحابہ کرامؓ کی طرح پیغمبر اسلام ﷺ کی صحابیاتؓ نے دعوتی وتربیتی میدان میں لوگوں کی اصلاح کا کام کیا اور مخاطب کی ذہنی سطح اور نفسیات کے مطابق تبلیغ کی۔ عصر حاضر کی مسلم خواتین اور خصوصاً داعیہ خواتین کو چاہیے کہ وہ صحابیاتؓ کے اسلوبِ دعوت وتربیت کو اختیار کر کے امت مسلمہ کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سہارا دینے کی کوشش کریں۔ دعوت و تبلیغ وہ بہترین عمل ہے جس کا انسانی نفسیات اور فہم و شعور سے گہرا تعلق ہے، اگر داعی مخاطب کے دل و دماغ اور اس کے فہم و شعور کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو جائے تو پھر باقی کام آسان ہو جاتا ہے۔ اس لیے دعوت سے پہلے داعی کے لیے اس اسلوب کا تعین کرنا ہے کہ مخاطب کے فہم و شعور میں یہ بات کس پیرائے میں پیش کر کے بٹھائی جائے، نفسیات دعوت و تبلیغ کا ہی موضوع اور فن ہے۔ اس لیے اس تحقیقی مقالہ میں انسانی نفسیات کا لحاظ رکھتے ہوئے صحابیاتؓ نے جو دعوت پیش کی وہ کیا تھی اور عصر حاضر میں اس طریقہ دعوت سے کس حد تک استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

دعوت و تبلیغ میں انسانی نفسیات کی اہمیت

کسان اور مومن مسلمان کی محنت میں اس قدر یکسانیت ہے کہ عربی میں کسان کے لیے بھی "فلاح" اور مومن کی کامیابی کے لیے بھی "فلاح" کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔[1] (بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے۔)" مفسرِ قرآن عبد السلام بن محمد ان دونوں کی نحوی و صرفی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اَفْلَحَ: "اَفْلَحُ" لام کے فتحہ کے ساتھ اور "اَلْفَلَاحُ" کا معنی بھلائی کے کام میں کامیابی ہے اور "اَلْفَلْحُ" لام کے سکون کے ساتھ "پھاڑنا۔" دونوں باب "مَنَعَ" سے آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: "اَلْحَدِيْدُ بِالْحَدِيْدِ يُفْلَحُ" "لوہا، لوہے کے ساتھ کاٹا جاتا ہے۔" کسان کو اسی لیے "اَلْفَلَّاحُ" کہتے ہیں کہ وہ زمین کو پھاڑتا ہے۔ گویا فلاح وہ کامیابی ہے جو محنت و مشقت کے نتیجے میں حاصل ہو۔ کامیابی دنیا کی بھی ہے اور آخرت کی بھی"[2] یقیناً ایک مومن بندہ وہی ہوتا ہے جو خود نیکیاں کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کی خیر و بھلائی کے لیے محنت کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک داعی کہلاتا ہے لہٰذا کسان کی طرح ایک داعی کو ایسے ہی لوگوں کی نفسیات کو دیکھتے ہوئے خوشگوار ماحول کا انتخاب کرے تاکہ اس کی دعوت کے اسی طرح اثرات نظر آئیں جیسے کسان بیج کو زمین میں بونے سے پہلے اس زمین کو اتنا نرم کرتا ہے کہ وہ زمین فوراً اس کو قبول بھی کرتی ہے اور اس بیج سے اُگنے والے پودے کو تنا آور بنانے میں مدد بھی دیتی ہے۔ اس لیے دعوت و تبلیغ میں انسانی نفسیات بہت ضروری ہے امین احسن اصلاحی دعوت کے اس طریقہ کار کی اہمیت اور افادیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جس طرح ایک بیج کے نشو و نما پانے کے لیے تنہا بیج کی صلاحیتوں ہی پر نظر نہیں رکھتی پڑتی، بلکہ زمین کی آمادگی و مستعدی اور فصل و موسم کی سازگاری و موافقت کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے، اسی طرح کلمہ حق کی دعوت میں مجرد حق کی فطری صلاحیتوں پر ہی اعتماد نہیں کر لینا چاہیے بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جن لوگوں کے سامنے وہ حق پیش کیا جارہا ہے دعوت کے وقت نفسیاتی نقطہ نظر سے ان کی حالت کیا ہے؟ زمینوں کی طرح روحوں اور دلوں کے بھی موسم ہوتے ہیں اور ایک داعی کا فرض ہے کہ ان موسموں سے اچھی طرح واقف ہو۔[3] اگر داعی لوگوں کی نفسیات، ذوق دمزاج اور ان کے جذبات و میلانات کی رعایت نہ کر سکے تو اس چیز کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں کہ لوگ اس کی باتوں کو سنیں اور توجہ دیں بلکہ اکثر و بیشتر تو ایسا ہو گا کہ وہ ان کے اندر کوئی دلچسپی اور شوق پیدا کیے بغیر انھیں اکتاہٹ اور بیزاری کا شکار بنادے گا اور لوگ اس کے قریب ہونے کی بجائے دور رہنے کو زیادہ پسند کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو تاکید فرمائی: يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، وَبَشِّرُوا، وَلاَ تُنَفِّرُوا[4] "(دین میں) آسانی کرو، سختی نہ کرو اور لوگوں کو خوشخبری سناؤ، انہیں (ڈرا ڈرا کر) متنفر نہ کرو۔" گو دعوت میں لوگوں کی ذہنی اہلیت کو سامنے رکھا جائے اور پھر دعوت دی جائے۔ ہر شخص کو ایک ہی انداز میں دعوت دینا کارگر ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر شخص کے ذہنی خیالات اور رجحانات ایک جیسے نہیں ہوتے۔ داعی کی نظر بدلتے ہوئے حالات پر بھی ہونی چاہیے اور لوگوں کے بدلتے ہوئے رویّوں پر بھی ہونی چاہیے۔ الغرض انسانی نفسیات کی رعایت کے بغیر دعوت کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں، صحابیاتؓ کی مقبولیت کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے ہمیشہ دعوت و تبلیغ میں انسانی نفسیات کا بھرپور خیال رکھا۔ ان کے اسلوبِ دعوت کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں جن میں یقیناً آج کے داعیین کے لیے ایک عمدہ نمونہ ہے۔

1۔ مدعو کی تحریک / حوصلہ افزائی

دعوت کے ہر کارکن کی حسیات ایک مہربان استاد اور مربی کی سی ہونی چاہیے۔ داعی کا اپنے مخاطبین سے ایسا رویہ جس میں اپنائیت، محبت اور حوصلہ افزائی کا رنگ نمایاں ہو دعوت کی کامیابی میں اولین کردار ادا کر سکتا ہے۔ بسا اوقات مدعو کی تعریف و توصیف اور حوصلہ افزائی اس کو داعی کے اس قدر قریب کر دیتا ہے کہ اس کے بعد دعوت کا کام آسان ہو جاتا ہے، صحابیاتؓ نے

دعوت و تبلیغ میں اس اسلوب کو بھی استعمال کیا، چنانچہ جب لوگ دور دراز سے صحابیاتؓ کی خدمت میں حصولِ علم اور مسائل دینیہ کی سوجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے آتے تو نہایت کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے ان کا خیر مقدم کرتیں۔ صحابیاتؓ میں ایک اہم وصف یہ بھی موجود تھا کہ وہ کچھ موقعوں پر خود تو داعیہ کا منصبِ فرضی ادا تو نہیں کر رہی ہوتیں تھیں۔ لیکن اس موقع پر اگر داعی کی کوئی اضطرابی حالت ہوتی تو اس کی نفسیات کو دیکھتے ہوئے اس کی حوصلہ افزائی اور دینی امور میں معاونت ضرور کرتیں یقیناً یہ بھی دعوت کی ہی ایک صورت ہے جیسا کہ حضرت خدیجہؓ نے پہلی وحی کے نزول کے بعد آپ ﷺ کی حوصلہ افزائی نہایت احسن انداز میں کی۔ آپ ﷺ کو جو نفسیاتی اضطراب در پیش تھا اس قلق واضطراب میں آپؓ نے بھرپور انداز میں آپ ﷺ کو اپنے موقف پر قائم رہنے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کی اور خود سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ ابن سعد اپنی کتاب طبقات میں تحریر کرتے ہیں: أن أول من أسلم خديجة[5] "سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون خدیجہؓ تھیں۔"مصطفی سباعی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: "خدیجہؓ کا نبی ﷺ کے دل میں ایک خاص مقام تھا، کیونکہ انھوں نے ایسے وقت میں نبی ﷺ کا ساتھ دیا جب سب نے منہ موڑ لیا۔ آپؓ نے دین کی اشاعت میں مکمل ساتھ دیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی تاکہ آپ ﷺ کو تقویت حاصل ہو اور آپ ﷺ دعوتِ دین اور خیر و بھلائی کا کام احسن انداز سے نبھا سکیں۔"[6] پیغمبرِ اسلام ﷺ نے غارِ حرا کا واقع بیان کرتے ہوئے حضرت خدیجہؓ فرمایا: لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي» فَقَالَتْ خَدِيجَةُ: كَلَّا وَاللَّهِ مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الكَلَّ، وَتَكْسِبُ المَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الحَقِّ ۔[7] "مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا ہر گز نہیں، اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا، آپ ﷺ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، محتاجوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں۔" یہ حضرت خدیجہؓ کی حوصلہ افزائی کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ پھر دعوت کے میدان میں یہی عزم لے کر اترے کہ وہ اللہ کی مدد سے اس میدان میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ یہ صرف ایک موقع نہیں تھا بلکہ کئی ایسے موقعوں پر آپ ﷺ کو حضرت خدیجہؓ کی طرف سے حوصلہ بڑھانے والے الفاظ سننے کو ملتے رہے۔

تاریخ اسلام ایک اہم واقعہ جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور و معروف ہے اس میں حضرت ام سلمہؓ کی دانشمندی اور حوصلہ افزائی کی بہترین مثال ہے کہ جب پیغمبرِ اسلام ﷺ کے کہنے پر صحابہ نے قربانی کے جانور ذبح نہ کیے تو آپ ﷺ پریشانی کے عالم میں آپؓ کے پاس آئے تو آپؓ نے آپ ﷺ کی اس کیفیت کو دیکھ کر فرمایا: يَا نَبِيَّ اللَّهِ أَتُحِبُّ ذَلِكَ اخْرُجْ ثُمَّ لَا تُكَلِّمْ أَحَدًا مِنْهُمْ كَلِمَةً حَتَّى تَنْحَرَ بُدْنَكَ وَتَدْعُوَ حَالِقَكَ فَيَحْلِقَكَ فَخَرَجَ فَلَمْ يُكَلِّمْ أَحَدًا مِنْهُمْ حَتَّى فَعَلَ ذَلِكَ نَحَرَ بُدْنَهُ وَدَعَا حَالِقَهُ فَحَلَقَهُ۔[8] "اللہ کے نبی ﷺ! اگر آپ یہ بات چاہتے ہیں تو باہر تشریف لے جائیں اور ان میں سے کسی کے ساتھ کلام نہ فرمائیں بلکہ آپ اپنے قربانی کے جانور ذبح کر کے سر مونڈنے والے کو بلائیں تاکہ وہ آپ کا سر مونڈ دے۔ چنانچہ آپ باہر تشریف لائے۔ اور کسی سے گفتگو نہ کی حتیٰ کہ آپ نے تمام کام کر لیے۔ آپ نے قربانی کے جانور ذبح کیے اور سر مونڈنے والے کو بلایا جس نے آپ کا سر مونڈا۔" آپ ﷺ کے اس عمل کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ نے بھی اپنے جانور ذبح کر دیے اور سر منڈا لیے گویا حضرت ام سلمہؓ کا یہ مشورہ اور آپ ﷺ کی دعوت میں رکاوٹ کا معاملہ بڑے احسن انداز میں حل ہو گیا۔ آج کے دور میں ان واقعات سے دعوت کا یہ اسلوب اختیار کیا جا سکتا ہے کہ اگر ایک بندہ براہِ راست خود دعوت کا کام نہیں کر رہا تو وہ داعیین کی معاونت اور اضطرابی صورت میں حوصلہ افزائی ضرور کر سکتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کا اسلوبِ دعوت

بعض لوگ مختلف مسائل میں ازواج مطہراتؓ بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ بعض مسائل کے پوچھنے میں جھجک اور شرم مانع آتی تھی تو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سائلین کی نفسیات سمجھ کر اس انداز میں حوصلہ افزائی کرتیں کہ سائل کے ذہن میں جو بھی شرم والی بات ہوتی جس کی وجہ سے وہ بات کرنے سے گھبرا رہا ہوتا تو آپؓ اس کو ہمت دیتی اور وہ بلا جھجک اپنی بات کرتا اور آپؓ سے دینی امور کو سیکھ کر چلا جاتا۔ جیسا کہ ایک حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو ایک مسئلہ کے دریافت کرنے میں حیا اور شرم مانع ہوئی تو آپؓ نے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا: لا تستحي أن تسألني أما كنت سائلا عنه أمك التي ولدتك فانما أنا أمك۔[9] ”تو اس بات کو پوچھنے میں شرم نہ کر جو تو اپنی سگی ماں سے پوچھ سکتا ہے جس نے تجھے جنا ہے، میں بھی تو تیری ماں ہوں۔“ یعنی سیدہ عائشہؓ نے کمال شفقت فرماتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی اور ان کو بغیر کسی شرم کے دین کے احکامات جاننے پر قائل کیا۔ اسی طرح کی شفقت اور حوصلہ افزائی اگر آج کا داعی یا داعیہ حامل بن جائے تو یقیناً معاشرے میں اصلاح کا کام ہو گا۔

حضرت اسماءؓ کا اسلوبِ دعوت

حق اور سچائی پر ڈٹے رہنے کے لیے انسان کو اپنے نفس کا مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اور اس نفسیاتی تربیت کی عملی مثال حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے پیش کی جب حجاج بن یوسف نے مکہ پر حملہ کیا تھا تو آپؓ کے بیٹے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ان کا مقابلہ کیا حتٰی کہ ان کے کافی ساتھی شہید ہو گئے۔ حضرت اسماءؓ اس وقت سخت علیل تھیں جب حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ ان کے پاس آئے تو بیماری اور سخت تکلیف کے باوجود اپنے بیٹے کی نفسیاتی کیفیت کو دیکھ کر فرمایا: والله، ما أشتهي أن أموت حتى تأتي على أحد طرفيك، إما أن تقتل فأحتسبك، وإما أن تظفر فتقرَّ عيني، إياك أن تعرض على خطة فلا توافق، فتقبلها كراهية الموت۔ [10]”اللہ کی قسم میں تمہاری دو باتوں میں سے ایک بات تک پہنچنے تک موت کی خواہش نہیں رکھتی، یا تو تم قتل کر دیے جاؤ اور میں اس پر ثواب حاصل کروں، یا تم کامیاب ہو جاؤ اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں، خبردار! موت کے ڈر سے کسی نامناسب تجویز کو قبول نہ کرنا“ حضرت اسماءؓ نے اپنے بیٹے کی نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کی تاکہ ان کے قدم حقیقی مقصد سے ڈگمگا نہ جائیں۔ جس کے بعد حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ واپس پلٹے اور حجاج بن یوسف کی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ گو آج کے داعی کو بھی ایک ایسی ماں کی ضرورت ہے جو ہر وقت اپنے بیٹوں کو دینِ اسلام کی آبیاری کے لیے تیار کرتی رہے اور اس کے بیٹے اسلام کا علم پوری دنیا میں گاڑھنے کے لیے شہادتیں نوش فرماتے رہیں۔

حضرت خنساءؓ کا اسلوبِ دعوت

لوہا جب گرم ہو جاتا ہے تو لوہار اس کو اپنی مرضی سے ڈھال سکتا ہے تاریخ اسلام میں صحابیاتؓ کا کردار بھی کچھ ایسا ہی رہا ہے کہ جب بھی اسلام کو ضرورت پڑی تو انہوں نے اپنے بھائیوں، خاوندوں اور بیٹوں نہ صرف اس کے لیے پیش کیا بلکہ ان کی نفسیات کے مطابق انہیں غیرت کا درس بھی دیا تاکہ وہ جب میدان میں اُتریں تو انہیں اسلام کی عظمت اور غیرت کا پاس رہے اور وہ اس کی خاطر اپنی جان دینے سے بھی دریغ نہ کریں۔ حضرت خنساءؓ نے جب اپنے بیٹوں کو جنگ قادسیہ کے لیے روانہ کیا اپنے بیٹوں کو حوصلہ دلانے لگیں اور ان سے مخاطب ہو کر فرمانے لگیں: ”اے میرے پیارے بیٹو! تم نے بخوشی اسلام قبول کیا اور اپنی پسند کے مطابق ہجرت اختیار کی، اور اس اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں! تم ایک آدمی کے بیٹے ہو اور تمہیں ایک ماں نے جنم دیا ہے، میں نے تمھارے باپ کے ساتھ کبھی خیانت نہیں کی اور نہ تمھارے ماموں کو کبھی رسوا کیا اور نہ

تمھارے حسب نصب میں کوئی آمیزش آنے دی، تم یہ بات اچھی طرح جانتے ہو کہ مسلمانوں کے لیے کافروں کے ساتھ جنگ کرنے کا کس قدر ثواب ہے اور تم اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ باقی رہنے والا گھر فنا ہونے والے گھر سے کہیں بہتر ہے۔"[11] پھر مزید فرمایا: "جب تم صحت وعافیت کے ساتھ صبح کے وقت اٹھو تو اپنے دشمن سے نبرد آزما ہونے کے لیے چاق وچوبند ہو کر میدان جنگ میں اترو، جب لڑائی کی آگ بھڑک اٹھے، زور کارن پڑھے تو پورے جوش وولولے کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ، پھر یا تم غازی بن کر کامیابی حاصل کروگے اور مال غنیمت حاصل کر کے لوٹو گے یا شہید ہو کر خلد بریں کے معزز مہمان بن جاؤ گے، ہر دو صورت میں کامیابی تمہاری قدم بوسی کرے گی"[12] اس حوصلہ افزائی نے ان کے دلوں میں بہادری کی رمق پیدا کر دی اور وہ اپنی والدہ کی جانب سے حوصلہ پا کر ایک اکھڑ مزاج اور ظالم وشمن کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے اور اپنی والدہ کی وصیت کو میدان جنگ میں اترنے کے لیے زادِ راہ بنالیا۔

حضرت فریعہؓ کا اسلوبِ دعوت

غزوہ احد کے موقع پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم روانگی کے لیے تیار ہوئے اور آپ ﷺ لشکر کو ترتیب دے رہے تھے تو کچھ نو عمر صحابہؓ بھی مجاہدین کی صفوں میں تھے، آپ ﷺ نے ان کی چھوٹی عمر کی وجہ سے انھیں واپس کر دیا، ان میں ابو سعید خدریؓ بھی شامل تھ،ے وہ جہاد کا شرف حاصل کرنے سے محروم رہ جانے کی بنا پر رو رہے تھے۔ راستے میں سیدہ فریعہؓ انھیں ملیں، وہ ان کے آنسو صاف کرنے اور دلاسہ دینے لگیں اور فرمایا: "تم فکر نہ کرو، آئندہ جنگوں میں تجھے شامل کر لیا جائے گا اور پھر تم مسلسل شامل رہو گے، یہاں تک کہ شرک مٹ جائے گا اور ایمان کا جھنڈا سربلند ہو گا۔"[13] اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیدہ فریعہؓ نے اپنے بھائی کی نفسیات کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کی تاکہ وہ دل برداشتہ نہ ہوں، بلکہ آئندہ کے محاذوں کے لیے وہ خود کو تیار رکھیں۔ اس واقعہ سے یہ بھی درس ملتا ہے کہ عصر حاضر میں ایسی عورتوں کی اشد ضرورت ہے جو دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے مردوں کے شانہ بشانہ کام کریں لیکن افسوس کے امت مسلمہ کی عورت مغربی فکر لے کر مرد کے شانہ بشانہ تو چلنا چاہتی ہے مگر سیرتِ صحابیاتؓ سے درس لے کر اسلام کے لیے کچھ نہیں کرنا چاہتی۔

2۔ سوال وجواب / باہمی گفتگو

مخاطب کو اپنی دعوت کی طرف متوجہ کرنے اور اس کو ذہن نشین کرانے کے لیے ایک مؤثر ذریعہ اور اسلوب باہمی گفتگو اور بات چیت کا بھی ہے، مکالمہ کا انداز اور سوال وجواب کا اسلوب مخاطب کے ذہن وفکر کو متوجہ کرنے میں کافی مددگار ثابت ہوتا ہے۔ واعظانہ اسلوب دعوت کے مقابلہ میں یہ اسلوبِ دعوت اثر انگیزی میں اس سے کہیں بڑھ کر ہے کیونکہ اس صورت میں متکلم اور سامع کے درمیان براہ راست گفتگو ہوتی ہے اور حقائق کو ہلکے پھلکے اور سادہ انداز میں براہِ راست مخاطب کے ذہن میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ فروغِ دعوت کے لیے سوال وجواب اور باہمی گفتگو کا اسلوب بہت مؤثر ہے، بالخصوص اگر وہ سوال اور بحث کسی پوشیدہ حقیقت کی نقاب کشائی کے لیے ہو تو اس سے نہ صرف سائل بلکہ دوسرے لوگ بھی گمراہ ہونے سے محفوظ ہو جاتے ہیں، اسلوبِ دعوت میں یہ ایک مؤثر طریقہ دعوت ہے جس کا نا صرف مخاطب بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دیگر سامعین پر براہ راست مثبت اثر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابیاتؓ نے مثبت اور تعمیری سوالات کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کی اور ان کو پوری دیانت داری کے ساتھ علمی اور تحقیقی انداز میں جوابات مرحمت فرمائے۔ لیکن آج کے داعیین اور مبلغین میں میں یہ خوبی ناپید ہو چکی ہے ہمارے اکثر وبیشتر داعیین کا معاملہ بہت حساس ہے جو مخاطب کے سوال کو تحمل سے سن کر اس کو خوبصورت اور نرم لہجے کے ساتھ سمجھائیں جس کے نتیجہ میں مخاطب دین کے قریب ہو سکے۔ ذیل میں قاری کے لیے چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں جس سے صحابیاتؓ کے اندازِ گفتگو کو پرکھا جاسکتا ہے تاکہ عصرِ حاضر کے مبلغین اور مبلغات بھی ان سے استفادہ کر سکیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اندازِ گفتگو

حج وعمرہ کے مناسک میں صفا اور مروہ کی سعی کرنا زمانہ ابراہیمؑ سے چلا آرہا تھا لیکن دورِ جاہلیت میں کفار نے ان پر اساف اور نائلہ نامی دو بت رکھ دیے اور وہ دورانِ سعی ان کا استلام کرتے تھے۔ خادمِ رسول ﷺ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جب اسلام آیا تو ہم ان کی سعی سے رک گئے جس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ۔[14] "بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، توجو کوئی اس گھر کا حج کرے، یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ دونوں کا خوب طواف کرے"۔[15] ان دونوں کی سعی سے متعلق حضرت عروہ بن زبیرؓ نے جب اپنی خالہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا انہوں نے سائل کے سوال کا جواب بڑا حکیمانہ انداز میں دیا اور پوری بات سمجھادی۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ نے کم سنی میں حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ: أرأيت قول الله تبارك وتعالىٰ (إن الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البيت أو اعتمر فلا جناح عليه أن يطوف بهما، فما على الرجل شيء أن لا يطوف بهما۔فقالت عائشة كلا "لو كان كما تقول ، لكانت فلاجناح عليه أن لا يطوف بهما۔ إنما أنزلت هذه الآية في الأنصار كانوا يهلون لمناة وكانت مناة خذو قديد وكانوا يتحرجون أن يطوفوا بين الصفا والمروة ،فلما جاء الإسلام سألوا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك، فأنزل الله تبارك وتعالىٰ (إن الصفا والمروة ۔۔۔(158:2)۔[16] "آپؓ کا اس بارے میں کیا خیال جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ صفا اور مروہ اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے نشانیاں ہیں لہذا کوئی شخص حج یا عمرہ کا ارادہ کرے تو ان کا طواف کر لینے میں کوئی مضائقہ یعنی گناہ نہیں ہے تو اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص صفا اور مروہ کا طواف نہ بھی کرے تو بھی اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: یہ بات تو نہیں ہے، اگر یہ بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس طرح فرماتا کہ اگر کوئی ان کا طواف نہ بھی کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، در حقیقت یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ احرام کی حالت میں منات بت کا نام لیتے تھے جو قدید کے پاس رکھا ہوا تھا، انصار کو صفا اور مروہ کا طواف اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا، جب اسلام آیا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ صفا اور مردہ اللہ کی نشانیوں میں سے نشانیاں ہیں۔۔۔" اور ساتھ ہی دلیل میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی پیش کیا کہ جب آپ ﷺ کا یہ حکم آگیا تو اب ان کی سعی کو ترک کرنے کا جواز ہی نہیں بنتا آپ ﷺ نے فرمایا: اسعوا ان اللہ کتب علیکم السعی۔[17] "سعی کرو یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی فرض کر دی ہے" حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس مکالماتی گفتگو میں صحابیؓ کی نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے انہیں اس قدر جامع انداز میں عقلی دلائل کے ساتھ بات سمجھادی کہ کسی قسم کی غلط فہمی کا کوئی شائبہ نہ رہا اور صحیح بات بھی ان تک پہنچ گئی۔

اُم سلیمؓ کا اندازِ گفتگو

مکالماتی گفتگو کا ایسا ہی ایک انداز اُم سلیمؓ کا ہے جنہوں نے ابو طلحہ کو عقلی دلائل دیتے ہوئے اور ان کی نفسیات کو مد نظر رکھتے ہوئے انھیں دعوت دی، جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ ان کے اس اندازِ بیان کو ذکر ابن سعدؒ نے طبقات میں کیا ہے کہ: أن أبا طلحة خطب أم سليم فقالت : يا أبا طلحة الست تعلم أن إلهك الذي تعبد خشبة تنبت من الأرض نجرها حبشي بني فلان، قال: بلى، قالت :أفلا تستحي أن تعبد خشبة من نبات الأرض نجرها حبشي بني فلان؟ إن أنت أسلمت لم أرد منك من الصداق غيره۔ قال: لا حتى انظر في أمري فذهب ثم جاء فقال أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله۔[18] "حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے جب

سیدہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح کی خواہش ظاہر کی تو انھوں نے کہا: ''ابو طلحہ! کیاتم کو یہ خبر نہیں کہ جس بت کو تم پوجتے ہو وہ ایک درخت ہے جو زمین سے اُگا ہے اس کو فلاں حبشی نے گھڑ کر تیار کیا ہے''، بولے: ''مجھے معلوم ہے''، فرمایا: کیا تمہیں اس کی عبادت سے شرم نہیں آتی؟ انہوں نے مزید کہا: اگر آپ اسلام قبول کریں گے تو میں آپ سے شادی کے لیے تیار ہوں اور اس کے علاوہ آپ سے کسی اور چیز کو بطور حق مہر نہیں لیتی، انہوں نے کہا: مجھے مہلت دیجئے کہ میں غور کروں۔ پس وہ چلے گئے اور غور و فکر کیا، پھر واپس آکر کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں ۔''اُم سلیم کا انداز بیان اور عقلی دلائل کے ذریعے نفسیاتی پہلو کو مد نظر رکھنا ان کی دعوت کی اصل کامیابی تھی جس سے ابو طلحہ پر ایسا اثر ہوا کہ ایمان لے آئے۔

3۔ مناسب وقت کا انتظار / موقع کی مناسبت

داعی کی دعوت آیات وبینات کی بنیاد پر ہو اور مخاطب کی خیر خواہی کا جذبہ دل میں ہو۔ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے حالات کو پیش نظر رکھے، کیا اس کی دعوت سے لوگوں میں اکتاہٹ تو پیدا نہیں ہو رہی؟، کیا اس دعوت کے مثبت اثرات مرتب ہو رہے ہیں؟، کیا سننے والے پہلو تہی تو اختیار نہیں کر رہے؟ اسی طرح ان کے اوقات کا خیال رکھنا کہیں ایسے اوقات میں دعوت نہ دی جائے جب مخاطب کسی کام میں بہت زیادہ مصروف ہو اور وہ داعی کی بات کو سننے کے لیے تیار نہ ہو۔ دعوت دین کے ہر کارکن کو اپنے گردو پیش کا پوری ہوشیاری اور مستعدی سے جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ دعوت کی تخم ریزی کے لیے جیسے ہی کوئی مناسب موقع ہاتھ آئے، وہ بڑی ہوشیاری کے ساتھ اس سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ صحابیاتؓ کی سیرت کے تفصیلی مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے بھی دعوت و تبلیغ کے لیے بارہا اس اسلوب کو اختیار کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا طریقہ کار

جاہلیت کے زمانہ میں لوگ بچوں کے بچھونوں کے نیچے استرا رکھ دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس طرح بچے آسیب سے محفوظ رہتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی بچے کے سرہانے استرا دیکھا تو منع فرمایا اور کہا: ''رسول صلی اللہ علیہ وسلم ٹوٹکے کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔''[19] انسانی نفسیات میں بعض اوقات اس طرح کے وسوسے پیدا ہوتے ہیں جن کا حقیقت اور شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور خاص طور پر خواتین کی نفسیات پر ان کا غلبہ ہوتا ہے جن کی تردید حضرت عائشہؓ نے موقع کی مناسبت سے صاف الفاظ میں کی تاکہ خواتین اس طرح کے افعال سے آئندہ زندگی میں باز رہیں۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئے اور وضو کیا، لیکن وضو کرنے میں زیادہ اہتمام نہ کیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان کے اس عمل کی تردید کی اور انھیں دوبارہ وضو کرنے کی تلقین کی: یوم توفی سعد بن أبي وقاص، فدخل عبد الرحمن بن أبي بكر فتوضا عندها، فقالت : یاعبد الرحمٰن! اسبغ الوضوء، فاني سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: ویل للأعقاب من النار۔[20] ''سعد بن ابی وقاصؓ کی وفات کے دن عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بھی وہاں آئے، اور وضو کیا، انہوں (عائشہؓ) نے فرمایا: اے عبدالرحمٰن وضو پورا کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایڑیوں کے لئے جہنم کی آگ سے ہلاکت ہے۔ (یعنی جو ایڑیاں دوران وضو خشک رہ جائیں، وہ جہنم کی آگ میں داخل کی جائیں گی)''۔ ان واقعات سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے موقع کی مناسبت سے کیسے مخاطبین کے معاملات کی اصلاح بہت اچھے انداز سے کی اور ان کو حق سمجھا دیا۔

خولہ بنت ثعلبہؓ کا طریقہ کار

زہد میں ابن مبارک ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا نے امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ وہ ایک بہت بڑے منصب پر فائز ہیں جس کا خیال رکھتے ہوئے اپنی رعایا کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ ابنِ عبد البر روایت کرتے ہیں کہ: خرج عمر من المسجد ومعه الجارود العبدي، فإذا بامرأة برزت على ظهر الطريق، فسلم عليها عمر، فردت عليه السلام وقالت: هيات يا عمر، عهدتك وانت تسمى عميرًا في سوق عكاظ ترعى الضان بعصاك، فلم تذهب الأيام حتى سميت عمر، ثم لم تذهب الأيام حتي سميت أمير المؤمنين، فاتق الله في الرعية، واعلم أنه من خاف الوعيد قرب عليه البعيد ومن خاف الموت خشي عليه الفوت۔ فقال الجارود: قد أكثرت أيها المرأة على أمير المؤمنين، فقال عمر: دعها، أما تعرفها! فهذه خولة بنت ثعلبه۔ [21]"ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کچھ ساتھیوں کے ساتھ مسجد سے نکلے، ایک خاتون ان سے کہنے لگی: عمر ایک زمانہ تھا جب میں نے تمہیں عکاظ کے میلے میں دیکھا تھا کہ تم بچوں کو ڈنڈا لیے ڈراتے دھمکاتے تھے، اس وقت تم بہت ہی چھوٹے تھے، اسی وجہ سے لوگ تمہیں عمیر کہتے تھے۔ جب تم جوان ہوئے تو لوگ تمہیں عمر کہنے لگے اور اس پر کچھ زیادہ عرصہ گزرنے نہیں پایا کہ تم امیر المومنین کہلائے جانے لگے۔ (سوچو اللہ نے تمہیں کہاں سے کہاں پہنچایا اور رعایا کے ساتھ اپنی فطری سختی روا نہ رکھو بلکہ) ان کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو، یہ بات ذہن نشین کر لو کہ جس شخص کو اللہ کے عذاب کا خوف ہو گا، وہ قیامت کو دور نہیں سمجھ سکتا اور جس کو موت کا کھٹکا لگا، وہ لا ابالی زندگی نہیں گزار سکتا بلکہ اس کو نیکیوں کو ہاتھ سے چھوٹ جائے کا ہر وقت خدشہ رہتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے اس وقت جو ساتھ تھے انھوں نے خولہؓ سے کہا تم نے امیر المومنین پر ضرورت سے زیادہ نصیحت شروع کر دی ہے، تو حضرت عمرؓ نے انھیں ٹوکا اور فرمایا انہیں نصیحت کرنے دو، تم جانتے نہیں ہو کہ یہ خولہ بنت ثعبلہ رضی اللہ عنہا ہیں"۔ اس روایت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت خولہؓ نے موقع کی مناسبت سے انھیں ایک ایمان افروز نصیحت فرمائی جسے حضرت عمرؓ نے بغور سنا تاکہ وہ منصبِ خلافت کی ذمہ داریاں مکمل ذمہ داری کے ساتھ نبھا سکیں۔

اُم حکیمؓ کا طریقہ کار

فتح مکہ کے موقع پر اُم حکیم جب مسلمان ہوئیں تو ان کے شوہر نے اس وقت اسلام قبول نہ کیا تھا بلکہ اسلام دشمنی میں بہت متشدد تھا اور جب مکہ فتح ہوا تو وہ یمن کی طرف بھاگ گیا، حضرت اُم حکیمؓ نے رسول ﷺ سے امان کی درخواست کی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ اُم حکیم نے اپنے شوہر کو اس انداز سے دعوت دی کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ ابنِ عبد البر اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں:أسلمت يوم الفتح، واستأمنت النبي صلى الله عليه وسلم لزوجها عكرمة ، وكان عكرمة قد فر إلى اليمن، وخرجت في طلبه فردته حتى أسلم، وشنا على نكاحهما۔[22]"وہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاوند عکرمہ کے لیے امان طلب کی جو کہ یمن کی طرف فرار ہو گیا تھا، وہ اس کی تلاش میں نکلیں یہاں تک کہ وہ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں اور وہ مسلمان ہو گئے اور دونوں کا سابقہ نکاح برقرار رہا۔" ایک اور روایت میں اُم حکیم رضی اللہ عنہا کا اندازِ دعوت بھی محفوظ ہے جس میں وہ فرماتی ہیں: جلتك من عند أوصل الناس وأبر الناس وخير الناس لا يهلك نفسك۔[23]"میں آپ کے ہاں ایک ایسے شخص کے ہاں سے آئی ہوں جو کہ تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے، سب سے زیادہ نیکی کرنے والے اور سب سے بہتر انسان ہیں، آپ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالئے۔" ان روایات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اُمِ حکیمؓ نے کس حکمت عملی سے اپنے شوہر کی نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے انھیں دعوت دین دی اور موقع کی مناسبت سے انہیں سمجھایا کہ وہ اپنی دنیا اور آخرت سنوارنے کے لیے صحیح فیصلہ کریں۔ اُم حکیم کی دعوت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے شوہر نے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت میمونہؓ کا طریقہ کار

ایک مرتبہ حضرت میمونہؓ نے اپنے بھانجے عبد اللہ بن عباسؓ کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے بال منتشر اور بکھرے ہوئے تھے۔ تو حضرت میمونہؓ نے پوچھا: یہ کیسی حالت بنا رکھی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ان کی کنگھی کرنے والی عورت کے ایام ماہواری چل رہے ہیں، چونکہ ان دنوں میں ان سے کسی قسم کا استفادہ درست نہیں ہے لہذا وہ ان کی کنگھی نہیں کر سکتی تو حضرت میمونہؓ نے ان کی اس غلط فہمی پر انہیں سمجھایا۔ امام احمدؒ نے منبوذ سے روایت نقل کی ہے کہ ان کی والدہ نے انھیں بتایا: كنت عند ميمونة فأتاها ابن عباس فقالت : يا بني مالك شعثا رأسك؟ قال: أم عمار مرجلتي حائض، قالت: أي بني واين الحيضة من اليد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدخل على إحدانا وهي حائض فيضع رأسه في جحرها فيقرأ القرآن وهي حائض ثم تقوم أحدانابخمرته فتضعها في المسجد وهي حائض، اى بنى واين الحيضة من اليدْ۔[24] "کہ وہ نبی ﷺ کی زوجہ اُم المومنین میمونہؓ کے پاس بیٹھی تھیں، کہ ابن عباسؓ ان کے پاس آئے، انہوں (میمونہؓ) نے دریافت کیا: تمہارے بال کیوں بکھرے ہوئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا میری کنگھی کرنے والی عورت اُم عمارہ بیماری کے دنوں میں ہے۔ انہوں نے فرمایا: اے میرے چھوٹے بیٹے! حیض کا ہاتھ سے کیا تعلق؟ بے شک نبی ﷺ ہم میں سے ایک کے ہاں تشریف لاتے اور وہ بیماری کے دنوں میں ٹیک لگا کر بیٹھی ہوتیں، آپ ﷺ ان کے ساتھ ٹیک لگا لیتے اور اسی حالت میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے اور بسا اوقات آپ ﷺ تشریف لاتے اور وہ بیماری کی حالت میں بیٹھی ہوتیں تو آپ ﷺ ان کی گود میں ٹیک لگا لیتے اور اسی حالت میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے اور وہ بیماری ہی کت دنوں مین اٹھتیں اور آپ ﷺ کی نماز کی جگہ میں آپ ﷺ کے لئے کپڑا بچھاتیں، اسی کپڑے میں میرے گھر میں نماز ادا فرماتے۔ اے میرے چھوٹے بیٹے! حیض کا ہاتھ سے کیا تعلق ہے؟" اس واقعے میں اُم المومنین حضرت میمونہؓ نے ابن عباسؓ کے اس فعل پر جو شرعی اعتبار سے مناسب نہیں تھا، انہیں سمجھایا اور ان کی اصلاح کے لئے نبی کریم ﷺ کی سنت سے بھی استدلال کیا۔

4۔ مناسب طلب / آمادگی کا ہونا

مناسب طلب اور ذہنی آمادگی کے بغیر دنیا کا کوئی کام بھی انسان خوش اسلوبی اور کامیابی سے انجام نہیں دے سکتا، دعوت و تبلیغ کے لیے ذہنی آمادگی اولین شرط ہے۔ جب کوئی شخص کسی مسئلہ کو جاننے کی خواہش کرے، اس کے بارے میں سوال کرے اور اس کا دل اس کی طرف متوجہ ہو، اس وقت مسئلہ بتانے سے اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور زیادہ پختگی سے ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر سوال کیے بغیر اور جذبہ شوق کو ابھارے بغیر معلومات دی جائیں تو اس قدر فائدہ نہیں ہوتا۔ اس لیے کارِ دعوت میں مشغول ہر شخص کو مخاطب کی ذہنی آمادگی کا خیال رکھنا چاہئے، تاکہ اس کی دعوت موثر ہو۔ صحابیات رضی اللہ عنہن کی سیرت سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ جب تک مخاطب کی ذہنی آمادگی اور خلوص نیت کا جائزہ نہ لے لیتیں، اس وقت تک اس کو دعوت نہ دیتیں۔ جب منافقین نے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان باندھا تو نبی ﷺ نے اُم ایمنؓ سے پوچھا کہ تم عائشہؓ کے بارے میں کیا جانتی ہو وہ تمہاری نظر میں کیسی ہیں؟ تو اُم ایمنؓ نے برملا کہا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنی آنکھوں اور کانوں کا اچھی طرح خیال رکھتی ہوں، میری معلومات کے مطابق عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سراپا خیر وبرکت ہیں۔"[25] اُم ایمنؓ سے آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے بارے میں رائے لی تاکہ آپ ﷺ حقیقت تک پہنچ سکیں، اس کا جواب اُم ایمنؓ نے مدبرانہ انداز میں حقیقت بیان کرتے ہوئے دیا تاکہ آپ ﷺ کو حقیقت پتہ چل جائے اور آپ ﷺ مطمئن ہو جائیں۔

5۔ دعوت میں ایجاز واختصار

دعوت و تبلیغ کو مؤثر بنانے کے لئے مضامینِ دعوت کا واضح، دوٹوک اور مختصر ہونا بھی ایک بہترین اسلوب ہے جو کہ صحابیاتؓ کی سیرت میں نمایاں نظر آتا ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنے شوہر زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ساتھ مفلسی کی زندگی بسر کی، لیکن جب مالی حالت بہتر ہوئی تو اس کے باوجود ان کی طرزِ معاشرت میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ آپؓ کثرت سے صدقہ و خیرات کرنے والی تھیں، بیماری کے بعد شفاء یاب ہو کر انہوں نے بہت سے غلام بھی آزاد کئے اور اپنی اولاد کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: انفقوا وتصدقوا ولا تنتظروا الفضل۔[26] "خرچ کرو، صدقہ وخیرات دو اور فروانی کا انتظار نہ کرو۔" دعوت و تبلیغ کا یہ انوکھا انداز جس میں اختصار و ایجاز پایا جاتا ہے وہ مخاطب کے دل و دماغ پر حاوی ہو جاتا ہے اور وہ اس کو قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

6۔ مخاطب کی عزت نفس کا خیال رکھنا / عمومی وضاحت پر اکتفاء کرنا

اگر داعی غلطی کرنے والے کو براہ راست مخاطب کرنے کی بجائے اشارے کنائے میں اس کی غلطی کو واضح کرتا ہے تو اس صورت میں غلطی کرنے والے کی عزت نفس مجروح نہیں ہوتی، نیز وضاحت کے اس عمومی انداز سے مخاطب کی طرف سے کسی قسم کے منفی رد عمل کا بھی کوئی خطرہ نہیں رہتا اور شیطان اس کے انتقامی جذبات کو ہوا دے کر انتقام کی طرف مائل نہیں کر سکتا، ویسے بھی اس اسلوب سے مخاطب کے دل میں داعی کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے اور وہ اس کی بات کو زیادہ توجہ اور انہماک سے سنتا ہے۔ دعوت کا یہ اسلوب اس وقت موثر ہوتا ہے جب مخاطب کی غلطی عام لوگوں سے پوشیدہ ہو، لیکن اگر اکثر لوگوں کو اس کا علم ہو اور اسے یہ معلوم ہو کہ اکثر لوگ اسے جانتے ہیں تو ایسی صورت میں دعوت و تبلیغ کا یہ اسلوب سخت زجر و توبیخ کا حامل اور غلطی کرنے والے کے لیے رسوائی کا باعث بن جاتا ہے۔ اگر بات بھلائی اور خیر خواہی کے جذبے سے کی جائے تو یہ ایسا انداز تربیت ہے کہ جس سے غلطی کرنے والے کو بھی فائدہ ہوتا ہے اور عام لوگوں کو بھی، بشرطیکہ اسے استعمال کرتے ہوئے حکمت سے کام لیا جائے۔ صحابیاتؓ نے بارہا اس اسلوب کو اختیار کیا اور غلطی کرنے والے کو براہ راست مخاطب کرنے کی بجائے عمومی وضاحت پر اکتفا کیا، تاکہ مخاطب کی عزت نفس بھی مجروح نہ ہو اور اس کی اصلاح بھی ہو جائے۔

حضرت عائشہؓ کا طریقہ دعوت

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ اگر کوئی آدمی فوت ہو جائے اور اس کے گھر والے اس پر روئیں تو خواہ اس میت نے ان کو وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، اس کو عذاب دیا جاتا ہے۔ جب اس بات کی اطلاع حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہوئی تو انھوں نے اس نظریے کو رد کیا اور ان کی عزت نفس کو مد نظر رکھتے ہوئے عمدہ انداز میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے دلیل دی۔ عَنْ عَمْرَةَ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ وَذُكِرَ لَهَا أَنَّ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ عَلَيْهِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ غَفَرَ اللَّهُ لِأَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَمَا إِنَّهُ لَمْ يَكْذِبْ وَلَكِنَّهُ نَسِيَ أَوْ أَخْطَأَ إِنَّمَا مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى يَهُودِيَّةٍ يُبْكَى عَلَيْهَا فَقَالَ إِنَّهُمْ لَيَبْكُونَ عَلَيْهَا وَإِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِي قَبْرِهَا۔[27] "عمرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو کہتے سنا اور ان سے ذکر کیا گیا تھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میت پر لوگوں کے رونے کی وجہ سے اُسے عذاب دیا جاتا ہے (عائشہؓ نے کہا:) اللہ ابو عبد الرحمنؓ کی مغفرت فرمائے۔ سنو، انہوں نے جھوٹ نہیں کہا۔ بلکہ ان سے بھول ہوئی ہے یا وہ چوک گئے ہیں۔ بات صرف اتنی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک یہودی عورت کے پاس سے ہوا جس پر لوگ رو رہے تھے۔ تو آپ ﷺ نے

فرمایا: یہ لوگ اس پر رورہے ہیں اور اسے قبر میں عذاب دیاجارہاہے۔" یہاں دیکھا جاسکتاہے کہ سیدہ عائشہؓ نے کیسے مخاطب کی عزت نفس کاخیال رکھتے ہوئے اپنی بات سامعین کو سمجھادی۔

بنتِ زیدبن ثابتؓ کا مخاطب کو سمجھانے کا انداز

حضرت زیدؓ کی صاحبزادی کو خبر ہوئی کہ کچھ خواتین جب ایام ماہواری میں ہوتی ہیں تو وہ راتوں کو اٹھ کر چراغوں کی مدد سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتی ہیں کہ طہر کے بارے میں معلوم کر سکیں، انہوں نے کسی کا بھی نام لیے بغیر عمومی وضاحت پر اکتفا کرتے ہوئے فرمایا: یہ کام مشقت سے خالی نہیں ہے اور نہ صحابیاتؓ نے اتنا التزام کیا ہے، تاکہ تمام خواتین اس عمل کو اپنائیں:وبإسناده قال مالك، عن عبد الله بن أبي بكر عن عَمَّتِهِ أنها حدَّثته عن ابنة زيد بن ثابت: أنه بلغها أن نساءكن يدعون بالمصابيح من جوف الليل لينظرن إلى الطهربه، فكانت تعيب ذلك عليهن وتقول: "ما كان النساءُ يصنعن هذا۔[28]"امام مالکؒ نے عبد اللہ بن ابی بکرؓ سے، وہ اپنی پھوپھی سے اور انہوں نے روایت نقل کی کہ: انھیں خبر پہنچی کہ کچھ عورتیں آدھی رات کو چراغوں کو طلب کرتی ہیں تاکہ وہ دیکھیں کہ آیاوہ حیض سے پاک ہوچکی ہیں، اس پر وہ ان پر تنقید کرتیں اور فرماتیں:"عورتیں ایسے تو نہ کیا کرتی تھیں۔" یہاں دیکھا جاسکتاہے کہ سیدہ بنتِ زیدؓ نے کیسے مخاطبین کی عزت نفس کاخیال رکھتے ہوئے اپنی بات سامعین کو سمجھادی۔

7۔ تشبیہ و تمثیل سے وضاحت

استعارہ تشبیہ اور تمثیل فصیح و بلیغ کلام کالازمی عنصر ہیں جو کلام کی زیب وزینت مزید سنوار دیتے ہیں، ان کی وجہ سے معنی و مفہوم قریب الفہم ہو جاتاہے، تشبیہ و تمثیل اور لطیف استعارے سے کلام میں جو وسعت اور قوت پیدا ہوتی ہے وہ کسی اور ذریعے سے ممکن نہیں۔ تعلیم و تعلم اور دعوت و تبلیغ میں ہر مکتبہ فکر اور مختلف رجحانات وخیالات کے افراد سے واسطہ پڑتا ہے جس میں خواندہ وناخواندہ، حضروی وبدوی ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، چنانچہ داعی کو ہر ایک کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو کرنی پڑتی ہے جس سے وہ بات سمجھ جائے اور پیغام کی طرف متوجہ ہو۔ صحابیاتؓ دعوت و تبلیغ اور لوگوں کی تربیت میں اس اسلوب کو اختیار کرتی تھیں، یہ ایسا اسلوب دعوت ہے جس میں مشکل ترین بات کو بھی عام فہم چیز کی مثال دے کر آسانی سے سمجھایا جاسکتاہے۔ قرآن حکیم نے بھی اسی اسلوب کو اختیار کرتے ہوئے مشکل اور پیچیدہ خیالات کو معمولی چیزوں کے ساتھ تشبیہ دے کر نہایت عمدگی کے ساتھ سمجھایاہے، مثلاً قرآن مجید نے کلمہ طیبہ کی مثال ایک عمدہ اور اعلیٰ نسل کے درخت سے دی ہے جس کی جڑیں زمین میں گہری جمی ہوئی ہیں۔[29]اسی طرح کلمہ خبیثہ کی مثال بدذات درخت سے دی گئی ہے، جو بے کار سمجھ کر زمین سے اکھاڑ پھینکا جاتاہے۔[30] یہ دعوت کا ایک ایسا اسلوب ہے، جس سے معمولی فہم و فراست رکھنے والا انسان بھی مشکل مسائل کو آسانی سے حل کر سکتاہے۔

اُم سلیمؓ کا تمثیلی انداز

ابو طلحہ کا بیٹا جو اُم سلیمؓ سے تھا، وہ فوت ہو گیا۔ اُم سلیم نے اپنے گھر والوں سے کہا: تم ابھی ابو طلحہ کو بیٹے کی وفات کے بارے میں نہ بتانا، میں اسے خود بتاؤں گی، ابو طلحہ گھر آئے، اُم سلیم نے ان کی خدمت میں شام کا کھانا پیش کیا، انہوں نے کھانا تناول کیا بعد ازاں اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہوا، جب اُم سلیم نے دیکھا کہ وہ کھانے پینے اور حاجت سے خوش دل ہو چکا ہے تو فرمایا:"اے ابو طلحہ! کچھ لوگوں نے کوئی چیز امانت کے طور پر رکھی ہو اور پھر وہ اپنی چیز کو واپس لینے کا مطالبہ کر دیں تو کیاوہ چیز ان کو واپس نہیں کرنی چاہیے ؟انھوں نے کہا کیوں نہیں، ان کا حق ہے کہ ان کی وہ چیز ان کے سپرد کر دی جائے۔ سیدہ اُم سلیمؓ نے فرمایا: دیکھیے ہمارا بیٹا ہمارے پاس اللہ کی امانت تھا، آج اس نے ہم سے اپنی امانت واپس لے لی ہے، وہ اللہ کو پیارا ہو چکا ہے، آپ صبر کا

دامن تھامتے ہوئے اللہ کے ہاں اجر وثواب کی نیت کر لیجئے۔"[31] اُم سلیمؓ کا یہ انداز نہایت مدبرانہ اور منفرد تھا، جس میں انہوں نے پہلے اپنے شوہر کو ان کی خدمت کر کے خوش کیا، پھر انھیں مثال دے کر عمدہ انداز میں اپنی بات پہنچادی، جس کا اثر یہ ہوا کہ ابو طلحہؓ نے صبر و حوصلہ سے ان کی بات کو سنا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

اُم سلمہؓ کا تمثیلی انداز

اُم المومنین اُم سلمہؓ نے اک قریبی رشتہ دار کو سجدہ کرتے وقت زمین کو صاف کرنے کے لئے پھونک مارتے دیکھا تو آپؓ نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور ایک حدیث کے ذریعے اس کی وضاحت بھی فرمائی۔ امام حاکمؒ نے ابو صالحؒ سے روایت نقل کی ہے:كنت عند أُ م سلمة فدخل عليها ذو قرابة لها شاب ذو جمة فقام يصلى فنفخ، فقال: يا بُنَيَّ! لاتنفخ فإنى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لعبد لنا أسود:اى رباح!ترب وجهك۔"[32] میں اُم سلمہؓ کے ہاں تھا کہ ان کا ایک قریبی بالوں والا جوان داخل ہوا، پھر وہ نماز پڑھنے کے لئے اٹھا اور دورانِ نماز پھونک ماری۔ انہوں نے فرمایا: اے میرے چھوٹے بیٹے! پھونک نہ مارو، کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہمارے ایک کالے غلام کو کہتے ہوئے سنا: "اے رباح! اپنے چہرے کو غبار آلود کر۔" غرض صحابیاتؓ کا اندازِ دعوت تمام داعیان اسلام کے لیے مشعل راہ ہے۔ ان کے اسلوبِ دعوت کو اپنا کر موجودہ دور کے داعیان اپنی دعوت کے مقاصد کو حاصل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ اسلوب ادب کی دلنواز قسم ہے جو بات کو سمجھانے کے لیے شہد کی مٹھاس جیسا اثر رکھتی ہے۔ جب کسی چیز کو تمثیل کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے تو اس وقت وہ باتیں بہت جلد اور آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہیں، جو بغیر تمثیل اور تصویر کشی کے سمجھنا ناممکن ہوتا ہے۔

خلاصۂ بحث

جس طرح ایک بیج کے نشو و نما پانے کے لیے تنہا بیج کی صلاحیتوں ہی پر نظر نہیں رکھتی پڑتی، بلکہ زمین کی آمادگی و مستعدی اور فصل د موسم کی سازگاری و موافقت کا بھی لحاظ رکھنا پڑتا ہے، اسی طرح کلمہ حق کی دعوت میں مجرد حق کی فطری صلاحیتوں پر ہی اعتماد نہیں کر لینا چاہیے بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جن لوگوں کے سامنے وہ حق پیش کیا جارہا ہے دعوت کے وقت نفسیاتی نقطہ نظر سے ان کی حالت کیا ہے؟ صحابیاتؓ کی مقبولیت کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے ہمیشہ دعوت و تبلیغ میں انسانی نفسیات کا بھر پور خیال رکھا۔ ان کے اسلوبِ دعوت میں مدعو کی تعریف و تحریک، حوصلہ افزائی، سوال و جواب، باہمی گفتگو، مناسب وقت کا انتظار، موقع کی مناسبت، مخاطب کی مناسب طلب اور آمادگی کا ہونا، ایجاز و اختصار، مخاطب کی عزت نفس کا خیال رکھنا اور عمومی وضاحت پر اکتفاء کرنا نیز تشبیہ و تمثیل سے وضاحت کرنا جیسی تمام خوبیاں شامل تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابیاتؓ کا اسلامی تاریخ میں بالخصوص دعوت کے میدان میں نمایاں کردار نظر آتا ہے۔ سمجھنے والی بات تو یہ ہے کہ یہ لوگ تو اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کر کے جا چکے اب ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم ان کی دعوتی خدمات و انداز کو اپنائیں اور امت کے لیے ایک مفید مبلغ و داعی ثابت ہوں۔

Refrences

[1] Al-Mu'minūn 23:1.
[2] Abd al-Salām Ibn Mohammad, *Tafsīr al-Qur'ān al-Karīm* (Lahore: Dār al-Undalas, 2016), 3:3.
[3] Ahsan Ameen Islāhī, *Da'wat-e-Deen aur Iskā Tareeq-e-kār* (Lahore: Faran Foundation, 2010), 133.

[4] Muhammad Ibn Ismā'īl al-Bukhārī, *Al-Jāmi' al-Saḥīḥ* (Al-Riādh: Dāar al-Salām, 1998), Ḥadīth no: 69.
[5] Muhammad Ibn Saad, *Attabqāt al-Kubrā* (Beirūt: Dār al-Sādir, 1968), 8:17.
[6] Musṭafā al-Sabāaī, *Al Seerat al-Nabawiya* (Beirūt: Maktaba al-Islāmī), 56.
[7] Al-Bukhārī, *Saḥīḥ al-Bukhārī*, Ḥadīth no: 03.
[8] Al-Bukhārī, *Saḥīḥ al-Bukhārī*, Ḥadīth no: 785.
[9] Muslim Ibn Ḥajjāj al-Qusheyrī, *Al-Jāmi' al-Saḥīḥ al-Muslim* (Al-Riādh: Dār al-Salām, 2000), Ḥadīth no: 785.
[10] Shamas al-Deen Abū Abdullah Muhammad Ibn Ahmad Ibn Usmān al-Zahabī, *Siar Aalām al-Noblā* (Dār al-Ḥadīth, 2006), 2:293.
[11] Salāh al-Deen Abdullah al-Safadī, *Al-Wafī bil-Wafiyat* (Beirut: Dār Aḥyā Al-Turāth, 2000), 3461-462.
[12] Al-Safadī, *Al-Wafī bil-Wafiyat*, 3:461-462.
[13] Ibn Abd al-Bar al-Qurṭubī, *Al-Istīāb fī Mārfat al-Asḥāb* (Beirūt: Dār al-Jeel, 1992), 2:34.
[14] Al-Baqara 2:158.
[15] Al-Bukhārī, *Saḥīḥ al-Bukhārī*, Ḥadīth no: 4496.
[16] Anas Ibn Mālik, *Muattā* (Amārāt: 2004), Ḥadīth no: 129.
[17] Ahmad Ibn Hanbal, *Musnad-e-Ahmad* (Al-Riādh: Dār al-Salām, 2012), Ḥadīth no: 27435.
[18] Ibn-e- Saad Attabqāt al-Kubrā, 8:498.
[19] Al-Bukhārī, *Adab al-Mufrad* (Beirūt: Dār al-Bashā'ir al-Islāmiya, 1989), 385.
[20] Ibn Hanbal, *Musnad Ahmad*, Ḥadīth no: 24516.
[21] Al-Qurṭubī, *Al-Istīāb*, 4:1831.
[22] Al-Qurṭubī, *Al-Istīāb*, 4:1932.
[23] Muhammad Ibn Abd al-Bāqī Ibn Yūsuf al-Zarqānī, *Shraḥ al-Zarqānī* (Beirūt: Dār al-Ilmiya), 3:204.
[24] Yūsuf Ibn Abd al-Raḥmān al-Mizzī, *Taḥzeeb al-Kamāl* (Beirūt: Mausuat al-Resālah, 1993), 28:488.
[25] Muhammad Ibn 'Umar al-Waqdī, *Al-Maghāzī* (Beirūt: Dār al-'Ilamī, 2007), 2:488.
[26] Abū Na'eem Ahmad Ibn Abdullah al-Asfḥānī, *Huliya al-Auliyā wa Tabqāt al Asfiyā* (Miṣr: Dār Al-Fikr, 1996), 1:333.
[27] Muhammad Ibn Eīsā al-Tirmizī, *Sunan al-Tirmizī* (Al-Riādh: Maktabah al-Ma'ārif, 2007), Ḥadīth no: 1006.
[28] Abū Bakr Ahmad Ibn Hussain Baiheqī, *Al-Sunan al-Kubrā* (Beirūt: Dār al-Kutub al-Ilmiya, 2003), Ḥadīth no: 1590.
[29] Al-Ibrāhīm 14:24.
[30] Al-Ibrāhīm 14:26.
[31] Ibn Hajjāj, *Ṣaḥīḥ al-Muslim*, Ḥadīth no: 6322.
[32] Abū Abdullah Mhammad Ibn Abdullah al-Ḥakim, *Al-Mustadrik ala al-Sahihayn* (Beirūt: Dār al-Kutub al-Ilmiya, 1990), Ḥadīth no: 1001.